



فل جہم آرام کی ضرورت تھی۔ اس قدر کمزور ہونے پر پہلے قند چینی دیر میں بڑی وقت کے بعد میں ایک چم پورا کرنا وہ میرے پتھر کے انتظام پر ہوتا۔ اس کی پختی اور مستقل مزاجی دیکھ کر مجھے خدشہ تھا کہ اس لہکنی دلی کے اصول وہ نظم ہو جائے گا۔

میں نہ تو اتنا مستقل مزاج تھا اور نہ ہی وہ نہ کھنکھاس بلکہ خواہ سے قدرے لاہور سا تھا۔ نہ اسرار میں کی آمد وہ میری ڈاکٹر یو کی کی نظر و بقیہ فکر کی ایک سلفی شیم اچانک مجھ پر پڑی۔ ظاہر ہے وہ اپنے بھینک میں جس مصلوف رہتی ہے اس کی نظر بلکہ نظم کرم بھی بھلا اچانک ہی مجھ پر پڑی ہے۔ جناب اس مرتبہ اس کی نظریکی لٹریچر مشین سے میری شخصی سنی کی قوند کو کھینچتے ہیں پورس افسران کی قوند قرار دیا۔ میں نے لاکھ جھٹلا دیا۔ یہی سبب کہ شہر اتر کے بھی اور پیمینک وہی گھر نہی۔ ایک الکلیک نظر جو انسان کو باہر سے اندر تک دیکھ سکتی ہے وہ ظاہر کیسے ہو سکتی ہے بھلا؟

میں نے ایک بھلا در شوہر کی طرح اختیار اعلیٰ دے اور سرشیم گھر کے سامنے وسیع رہنے پر چلیاں پارک کی سلف تھری سڑکوں پر خوب دل لگا کر دوڑنے لگا۔ رجوع تو ہم جانتے ہیں صراحت کرنا تھا اس بار میں نہیں مانا کیا ہے ایک شخصی کی قوند ہی ہے۔ چند دنوں کے بعد گاتو نہیں رہے گی۔ میرے دل میں خاطر خواہ کو ہوئی یا نہیں عمران چند دنوں میں بگڑے یہ روشن ابھی لگنے لگی اور دو مشنل کے بعد تو مشن کا صبر۔

مغرب کی نماز کا وقت ٹھگ ہوئے لگا تو میں نے والہی کے لیے قدم بڑھا دیے۔ ابھی چوڑی میں تھیں نے اس شہر صورت کو بڑی اور تک کھو جا کر گھر باج ہی ہوئی۔ پورے پارک پر ایک کھجوری ہوئی لال کر میں نے قدم گیت کی طرف بڑھا دیے۔



وہند بہت تیزی سے غریب رسید اور خوشی کی ہر شافوں سے لپٹ رہی تھی۔ سرشیم گھوڑوں کو لوٹنے کی خوشی میں پرے سے چلتے ہوئے گزر رہے تھے۔ ہنہری کے آخری دنوں میں وہند کی لپٹ نے سوا کی شدت میں اضافہ کر دیا تھا۔ سوچا کلی روز سے میں لگا تھا۔

ہاں ایک نیک سے اتر کر فٹ پاؤں پر چلتے ہوئے میں دھر لوہو دیکھنے لگا۔ بہت سے دھوس چہرے ہاں تک اور واک کے بعد روزانہ کی سرگرمیوں میں مصلوف تھے۔ پارک کے آخری گوشے میں ماشوں کی ہسٹ سامنے رہے وہ بڑی بلی تھی جس سے الکلیک کی غیر موافقگی میں جن کا پوچھا چوٹھے روزانہ چہرے پر پھر دیکھتا تھا۔ شاید وہ ایک سرساز سے زیادہ کھانے کے لیے پارک میں تحریف لائیں۔ اب بھی غن کی ساری توجہ ماشوں کی جانب تھی پھر میں نے غریب کا دل اس بیٹے میاں کو دیکھ لیا۔ بیچ پر بند کر اظہار سامنے پھیلائے وہ نہایت شمع و قصص سے بڑی بلی کو تالنے میں مصلوف تھے۔

میں دل میں نہیں دیا۔ اس عمر میں ایسے بے ضرر سے مشاغل ہی رہ جاتے ہیں۔ پھر میرے قریب سے وہ مفتی صاحب دھڑا ہوا گزرا۔ پائیں کس پاؤں نے اس کے دل میں یہ بات ڈال دی تھی کہ اسے حیر رنگ کرنی چاہیے۔ مگر تاکہ اسے تو میرا خیال ہے



ایک اپنی سی نظر اس پر ڈالتی تھی جس پر تک گیا۔  
ہوتی ہیں، کچھ صورتیں نہیں لہی یا ان صورتوں کے  
نقوش یا ان نقوش میں نہیں کوئی بات کوئی چوٹ لگتی ہے  
کی حد تک بات ناقص قسم کی کہ انسان مرکز پرست کر  
ضرور دیکھے ایسا ہی میرے ساتھ بھی ہوا جب میں  
نے اسے پہلی بار دیکھا۔

تو دے پھلے ہوئے اس کے سر اور سفید چہرے  
پر کسی قسم کے کوئی اثر نہ تھے۔ نور سے دیکھنے پر  
ایسا لگا تھا کہ یہ کسی تیس سال کے وجہ جو کچھ  
نہیں بلکہ دنیا میں سے روئے ہوئے کسی معصوم بچے  
کا چہرہ ہے۔ اس کی وہ بے خبر و حلیاتی تقریر اس  
سے ملنے چلتے نقوش والی آنکھوں کی جیسی آنکھوں میں  
دور دور کی چیزوں پر اترتی غرض کے جیسی لوہی  
تھی۔ میں نے اپنی زندگی میں اس کے جیسی لوہی  
آنکھیں نہیں دیکھی تھیں۔

پھر روز کا معمول بن گیا۔ میں غیر لڑائی طور پر ان  
کا منتظر رہنے لگا۔ اپنی روزانہ روئین میں ہم بست سے  
انہیں کوئی نوکوں کو دیکھتے ہیں لیکن اس جوان کی کسی غیر  
مٹی انگلی، گھڑی آنکھیں مجھے اکثر روک لیں تو میں  
اور اس سٹرا کر سلام کرتا جس کا جواب وہ لوہی  
آنکھوں والی لڑکی دیتی اور وہ بیل چیر آگے بڑھنے لے  
جاتی۔

میں بڑی ہر تک اس کے متعلق سوچتا رہتا تھا اس  
کے دلکش چہرے پر نظر نقوش اور صاف شہرے چلے  
سے وہ اپنی مفرد ہانک بھی نہ لگا تھا۔

پھر کئی روز تک وہ لوگ مجھے نظر نہ آئے۔ میں اب  
ان کی کسی محسوس کرنے لگا تھا۔ ان کو حلاشی نگاہوں  
سے یہاں وہاں کو دیکھ جاتے ہیں میں ان کو دھونڈنا  
رہتا۔ شاید میں اس جوان کے لیے دل میں نرم گوشہ  
کوئی انہیں محسوس کرنے لگا تھا تب ہی ان کا نہ ہونا  
مجھے ہر طرح محسوس ہوتا۔ شاید انہوں نے اپنی  
جان تک پہنچ کر لی ہوں۔

○ ○ ○

ان دنوں اپنی فورڈ سے لاگتوں کا ایک مٹیل کیا ہوا  
تھا۔ سو رہا کہ ہر روز کسی نہ کسی سینار میں شرکت  
کرتا ہوتا۔ اس کی سب سے مصروفیات میں سے جو شہم  
کے دو گئے تھیں، ان کے ساتھ تھے وہ بھی نہ رہے۔ گویا  
کبھی کبھی کی اور صوری سی ملاقات سے بھی گئے۔ سنی کی  
تیا بھی اس کی دونوں چھٹی پر نگاہیں پڑ گئی۔ سنی کمر پہ ایڑی  
ہو تاکہ اس لیے مجھے اپنی شام کی داک ملتی کر پڑی۔  
راہ کے کچھ سے مشورہ کرنے کے بعد اسے بیٹھ کی طرح  
تھکوا دیا۔

”طلیاب! کچھ روز کے لیے جیسس اپنی داک  
چھوڑا دے گی۔“ راہ کو یہ سنی اپنے کسی صراج  
مشورے سے دو کلمات کہنے کی عادت تھی اور مجھے اس  
کی بات نہ تھی۔

”ویسے بھی یہاں ہمارے کوئی اور نہیں ہے جس سے  
کوئی خاص فرق پڑا۔ میں بس یہی کہتا ہوں کہ اپنا پورا  
دھول ہو گیا ہے۔“

”ایسا؟“ میں چیخ پڑا۔ ”خدا کا خوف کرو راہ!۔  
کسی بے میرا بیٹھ دیکھو اب تو ایسیوں کی تعداد  
کلی جا سکتی ہے۔ کتنا فرق پڑا؟“

”کیا خاک فرق پڑا ہے؟“ سنی وہاں کی طرح تو تم  
کہتے ہو۔“

”اب جانہ۔“ میں غلام کہتے کہتے رہ گیا۔ ”ہاں  
نہیں جیسی، آل میں وہ وہاں ہو الوداع و انعام کے  
کھانے شہر میں تو کھانا اگر ان کے مودے کے روتے  
دل پر قبضہ کرتی ہیں۔ ایک تم ہو کہ مجھے بیٹھ ملنے  
سے رہتی ہو پھر بھی دل پر قبضہ قابض ہو۔“

خدا ہوتے ہوئے میں نے اس کے قریب ہونے کی  
کوشش کی تو وہ فوراً گاڑی میں داخلہ کر لیا۔ جا چلا۔

○ ○ ○

دعوت کے بعد دھوب پھیلی تو موسم نے تبدیلی  
ہونے میں دیر نہ لگائی۔ غرض کی شکل اور سہاواں  
سے نئے دور نقوش کو بے لیاں کر دیا تھا۔ اب ان کی ہر

انہوں پر بھی "سی کو تپیں پھوٹ رہی تھیں۔ بدلتے موسم نے ہمارے اندر یہ کیا کیا کہ انہیں مختلف ساز کی ایک برقی بانٹوں سے بھر گیا۔ ہنست کے حوالے سے غل و لغام میں کیت کو بچتے تھے۔ سارا وقت بولا کا شور مچا رہا تھا۔ ایک جگہ پر پارٹیاں اور دھڑا رہا تھا۔ کیا لگا کہ گھروں کی چھتیں اور گلیوں سے سج گئیں۔

میں بڑے دلوں کے بھڑ فوج داروں اور ایک کے لیے کا قتل نیز جیتنے ہوئے میری نگاہیں پھٹ گئیں۔ تو نے کہاں سے گت کر اڑتی ہوئی آ رہی تھی "معاذ میں گرتے گرتے سنبھلا۔ وہ ایک دس بارہ سال کا لڑکا تھا جس نے مجھے زبردستی ٹھکر گائی تھی۔

"سوری انگل" پھل ہوئی سانس کے ساتھ وہ ہاتھ اس کی انگوٹھیں اس بڑی بڑی آنکھوں والی ہوا میں ڈالنے کی تیاری تھی کہ وہی جھڑا سا لڑکا اکر لیا ایک اپنے آپے اور دست کی سب سے بلند شلخ میں ایک گلی

"تھمادی گڈی تو رستے میں ہی رہ گئی ہے۔" میں نے کہا۔

"کوئی ہلت نہیں انگل" وہ لڑکا والی سے ہلا۔ پھر میں یہ دیکھ کر اٹھ گیا کہ وہ تیزی سے اس درخت کے ٹوٹے سے گرا رہا تھا اور موٹے سے پر رینگ رینگ کر چلنے لگا۔

"مگر یہ یہاں سے گر جائے تو؟" درخت کی اندلی کو نظر سے ہٹا دیتے تھے کتب گیا۔

ابھی میں اسے اس قدر ہم سے دھنسی دلا تھا کہ میری آنکھوں کے کونے میں ٹپکی اس لڑکا پر پڑی جس کی آنکھوں کی لڑائی میرے اندر غرض کا موسم لہا لہا تھا۔ اس جلدی سے اس کی طرف بڑھ رہا تھا کہ وہ پلٹ کر نہیں لوہا لے کر گرنے والی تھی۔

مجھے سلام کا جواب دیتے ہوئے اس کی آنکھوں میں اسی شیشی ابھری۔ میں اس کے قریب ہی بیٹھ گیا۔

میں بہت دلوں تک نہیں آسکا۔ میں نے یوں بولنا شروع کیا "جیسے اس کے نور میرے درمیان بیٹے خوشگوار رو لہا رہے ہوں وہ مجھ نہ ہوئی مگر میں نے بہت نہ ہاری اور اپنی ہنست دلوں کی مصداقیت کے ساتھ ساتھ راجہ اور سنی کا تباہ کن تعارف بھی کر لیا۔ موسم میں ہونے والی خوشگوار تبدیلی پر تبصرہ کیا یا کہ کے ایک حصے میں ہونے والی مصیبتی غرائض پر نور غرائض میں رکھی اشیاء اور فنکارانہ کا لٹائی دے کر بے مد عام سی چیزوں کی کوئی وصول کی جانے والی قیوتوں پر انکار خیال کیا۔ غیر محسوس طریقے سے میں نے اسے خشکوں میں شہل کر دی لیا تھا۔ اب وہ بھی مجھ سے ہاتھیں کرتے تھی۔

"آج تمہارے ساتھ وہ نہیں کیا ہے کیا؟" میرے سوال پر وہ لڑکے نے چپ ہو گئی۔

مجھے اس کے جواب کا بہت انتظار کرنا پڑا۔ میں خاموشی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

خاموشی کے طویل وقفے کے بعد وہ بولی۔ "اس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔"

"ایک لیڈر فل انسان کی صحت پہلے کون سی ٹھیک ہوتی ہے۔" میں سلسل میں کہا۔

"میں موسم میں اس کی حالت بہت گرا جاتی ہے۔" اس نے بتایا تو میں نے پوچھا۔

"وہ تمہارا کھن ہے؟"

"مہمل۔" وہ مختصراً بولی۔ "جب سے وہ ایسا ہے میرا مطلب ہے اس کی حالت کب سے ایسی ہے؟" میں نے مزید کر کے کہنے سے نہ شرم بھی تھا کہ پتا نہیں وہ اپنے پس منظر سے شیز نہ کرے کہ میں بہر حال اس کے لیے ایک مکمل انجینیئر فاضل تھا لیکن کسی گھر کے دکھ کے پوچھ سے وہ مجھے گھٹی گھٹی کہ او اس آنکھوں میں تیرتی نمی آنسوؤں کے دھنکی تو یہ کہ بھری کھلی شالہ تھی تھی۔

ہمارے خوشگوار ہواؤں نے غرض میں جھیلے تمام دکھ لفظ لفظ کہہ دیا۔

یہ ان دونوں کا قصہ ہے جب زندگی نکل کے بنا  
 کرتی تھی بہت دل سے اور خوشیوں سے بھرپور قہقہے  
 لگاتی۔ وہ دونوں بہن۔ بھائی میں باپ کی زندگی کا  
 حاصل تھا۔ احمد، مریم سے تین سال بڑا تھا لیکن ان  
 کے درمیان ہونے والی ٹوک جھوٹ محلوں کے اس  
 قہقہے کو اٹھاتا اور کرتی۔ اور احمد کا یہی سلیس کارڈ  
 آیا اور ہلانے اس کی شادی کی ذہنت کھڑم کر دی پھر  
 دونوں میں ہی کمر بھر میں شادی کے ہنگامے جاگ  
 اٹھے۔ بلا بھی بے حد خوش تھے اور مریم تو خوشی سے  
 دھوا لائی ہوئی پھر رہی تھی کہ آخر وہ اکھولی بہن تھی۔  
 تازہ نور اس بات سے زیادہ کہ جس روز باپوں نے اٹھایا  
 اسی روز احمد اپنے دوستوں کے ہمراہ دست مٹانے نکل  
 گیا کہ بھول احمد شادی کے بعد اس طرح کی ایکٹھی  
 وغیرہ بے حد ہو رہا تھا۔ کسی بات اور تھک  
 کے تھک رہا تھا۔

288 اور وہی کی اس شام نے جیل زدہ والی آنکھوں  
 سے آنے والے دونوں کے خوش رنگ خواب جھین  
 لیے تو اس دن کو بڑا پارٹیاں ٹیکے اور وہی تو یہ سنتی  
 تھی کہ اس کے ساتھ کوئی حادثہ پیش آیا ہے اور  
 وہ ہسپتال میں ہے۔ تو ہسپتال میں جا کر معلوم ہوا کہ  
 چنگ پڑی کے دوران کچھ ٹراکس کے درمیان جھگڑا  
 ہو گیا تھا۔ احمد جا نہیں پھرتا ہے کہ اس کے بھائی کا ایک  
 لڑکے نے اسے اس زور کا جھگڑا کہ وہ اپنا کالن برقرار  
 نہ رکھ سکا اور تین طرفہ جگہ سے سیارہ ٹکرانے کی  
 سڑک کے منہ کے بل جا کر اٹھا۔

ڈاکٹر کے خیال میں احمد کا زندگی بچا ہی کسی  
 جگہ سے کم نہ تھا اس کے سر اور ریزہ کی ہڈی پر  
 شدید چوٹ آئی تھی۔ مسلسل آپریشن ہوئے مگر بے  
 ہوشی کا تسلسل ٹوٹ ہی نہ رہا تھا۔ مسلسل کوما کی  
 حالت میں تھا۔ ڈاکٹر کی کوئی امید نہ تھی، وہ اس سے  
 حالت کہا سے باہر نہ لاسکے۔ وقت دنوں کر پیچھے  
 چھوڑنا سمجھ رہا تھا۔  
 دکھ نے گھبرا کر کی چوکھٹی دیکھ لی تھی کہ ہلاکا

مرزا الیک جان لیوا جیت ہول

مریم ہلانے کے ساتھ اسپتال کے سڑ پر تبدیل ہو  
 راہ اور یوں میں کسی اس کی باور قہقہے پکراتی رہتی  
 کوئی منت کوئی مرزا کوئی دعا بھی تو قبول نہ ہو رہی  
 تھی۔

کوئی بھی نہیں سے بھی قہقہے کا حرف سننے کو نہ تھا  
 جب سنا تھا تو دھج کے اندر سرایت کر گیا تھا پھر ایک  
 سال اور چار دن بعد۔ احمد نے آنکھ کھولی تھی مگر  
 میں شانت پچھان کا کوئی رنگ نہ تھا اس کے بعد وہ  
 رچ بہت آئی اس کے مطابق امور دہائی طور پر مستحضر  
 ہو گیا تھا اور ریزہ کی ہڈی کی چوٹ کی وجہ سے چار  
 پیر کے لیے معلق ہو گیا۔ ڈاکٹر نے بتایا کہ احمد کی  
 فزیکل گروتھ تو جاری رہے گی مگر وہ ایک پانچ سالہ  
 بچے کی طرح رہے گا۔ اب تو اس واقعہ کو تقریباً ایک  
 سال ہو چکے ہیں۔ اس دوران ہلا بھی نہیں بھڑکا کہ  
 چاہتی ہیں۔ مریم کی آنکھوں سے آنسو چھٹا چھٹا رہا  
 رہے تھے۔

”ہم دونوں کا ایک دوسرے کے سہااب کوئی بھی  
 نہیں ہے۔ ہر مل جل جاب بھی اہستہ کا موسم آگیا  
 اس کی حالت بہت خراب ہو جاتی ہے۔ آہیں ہر آنی  
 چنگوں کو دیکھ کر وہ جیپ طرح سے رنی ایکٹ کر  
 ہے۔ ہو گا کے شور سے وہ بہت مضطرب ہو جاتا  
 ہے۔“

میں نے چونک کر اس درشت کی طرف دیکھا اس  
 کی گھٹی شانوں میں چنگ لگی ہوئی تھی۔ اب وہ اب  
 تھی گویا وہ لڑا اپنے مقدمہ میں کامیاب رہا تھا کہ  
 اچھی زندگی سے کر رہا تھا۔ ہمیں کافی

ہو گا کے شور میں گھٹی پانچیں خانہ ہوتی ہیں۔  
 تھوڑے گھٹی آنکھوں میں آنسو چھوڑ جاتا ہے۔  
 لوگوں کو زندگی بھر کے لیے الجھن و محذور بن جاتا ہے۔  
 کاش آپ نے لو اس آنکھوں میں ڈیرے لگائے  
 ڈاکٹر وہ دیکھا ہو۔ ہر بار کی آمد پر بھی کوئی نہیں  
 کرتے۔